شرح صحیح مسلم(از علامہ سعیدی) میں واقعات سیرت کا تجزیہ

(کلامی اور فقہی مباحث کے حوالے سے)

فاطمہ خلیل☆

سعید احمد☆☆

آپ ﷺ کی سیرت بہت سے لوگوں نے بیان کی ہے جس طرح دیگر موضوعات میں وسعت آ رہی ہے اسی طرح سیرت کے بہت سے پہلو عیاں ہو رہے ہیں اور اہل علم اس میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں علامہ غلام رسول سعیدی نے شرح صحیح مسلم میں سیرت نبوی کے حوالے سے کلامی اور فقہی مباحث کا بہت عمدگی کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اس بناء پر اس شرح کو باقی شروح سے بالکل منفرد اور نمایاں مقام حاصل ہوا۔ ان تحقیقی مباحث کا فائدہ یہ ہوا کہ نہ صرف عقائد کے متعلق بہت سے مضطرب مسائل کا تسلی بخش حل سامنے آیا بلکہ فقہی مسائل کو دلائل سے واضح کیا، مختلف فقہی مکاتب فکر کے دلائل کا تجزیہ کیا اور پھر ان دلائل کی روشنی میں ان مسائل کا شافی حل پیش کیا۔ علامہ سعیدی کی اس تحقیقی مساعی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صحیح مسلم کی اس شرح میں فقہ السیرہ کی واضح جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں ہماری رہنمائی کے لئے بہت سے احکامات موجود ہیں لیکن علامہ سعیدی نے شرح صحیح مسلم میں جو واقعات بیان کئے ہیں ان میں سے چند کی روشنی میں درج ذیل احکام و مسائل اخذ کئے گئے ہیں۔

آپ ﷺ کے تمام آباء کا صاحب ایمان ہونا

علامہ سعیدی نے رسول اللہ ﷺ کے آباء کے صاحب ایمان ہونے پر تحقیق کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے سلسلہ نسب میں تمام آباء اور امہات، مومن تھے اس پر علامہ سیوطی کی بیان کردہ دلیل ذکر کی ہے کہ قرآن مجید میں ہے: الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُوم وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ(1)" وہ جو تمہیں دیکھتا رہتا ہے خواہ تم قیام میں ہو خواہ ساجدین میں منقلب ہو رہے ہو۔" اس پر تفصیلی بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے آباء واجداد صاحب ایمان تھے۔ آپ ﷺ کے

☆ ایم فل سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

آباء کے صاحب ایمان ہونے کے متعلق ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ آپ کے سلسلہ نسب کے تمام والدین مومن تھے تو حضرت ابراہیم جو آپ کے آباء سے ہیں ان کے والد کو بھی مومن ہونا چاہیے حالانکہ حضرت ابرہیم کے والد آزر قرآنی نص کے مطابق کافر ہیں، اس کا جواب دیتے ہوئے شرح صحیح مسلم میں علامہ سعیدی نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ لغت عرب اور قرآن و حدیث میں "اب" کا اطلاق چچا پر بھی ہوتا ہے اور اہل تاریخ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد تارخ تھے اور آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے اس پر مزید دلیل یہ ہے کہ پہلے حضرت ابرہیم علیہ السلام اپنے چچا آزر کے لیے استغفار کرتے رہے لیکن جب وہ کفر پر فوت ہو گئے تو حضرت ابراہیم ان سے بیزار ہو گئے اور پھر ان کے لیے استغفار نہیں کیا، اس پر قرآن مجید کی آیت [2] بطور دلیل پیش کر کے اپنے مؤقف کو تقویت دی ہے۔ خلاصہ یہ کہ علامہ سعیدی نے آپ ﷺ کے والدین کریمین کو مومن ثابت کرنے کے لیے کافی دلائل دیئے ہیں جن سے ان کے ایمان پر شک کی بالکل گنجائش نہیں بچتی۔ [3]

اعلان نبوت سے پہلے کی عبادت

نبی ﷺ اعلان نبوت سے پہلے جو عبادت کرتے تھے۔ آیا وہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کی شریعت تھی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اہل علم کے دو قول ہیں جن میں قول ثانی یہ ہے کہ آپ کے دل میں معرفت الٰہی کا جو نور القاء کیا گیا تھا آپ اس کے مطابق عبادت کرتے تھے۔ پھر جو علماء اس کے قائل ہیں کہ آپ کسی شریعت سابقہ کے متّبع تھے۔ اس شریعت کے تعین میں ان کے آٹھ اقوال ہیں۔

۱۔ شریعت ابراہیم علیہ السلام ۲۔ شریعت موسیٰ علیہ السلام ۳۔ شریعت عیسیٰ علیہ السلام
۴۔ شریعت نوح علیہ السلام ۵۔ شریعت آدم علیہ السلام ۶۔ آپ بلا تعین کسی شریعت پر عمل کرتے۔
۷۔ تمام شرائع آپ کی شریعت تھیں ۸۔ آمدی اور ابوالمعالی نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

اس مسئلہ میں دوسری بحث یہ ہے کہ آپ کی عبادت کی کیا نوعیت تھی اس کا جواب یہ ہے کہ آپ غور و فکر کرتے تھے جیسا کہ حضرات ابراہیم ابتداء میں غور و فکر کرتے تھے، یا غار حرا کی تنہائیوں میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے، حسن الوہیت کی تجلیات کا مشاہدہ کرتے اور صفات الٰہیہ کے مطالعہ میں مستغرق رہتے تھے۔ اس بارے میں بھی کافی بحث کی ہے آخر میں امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو اقوال کا ذکر ہے [4] اور صحیح

قول کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ بعثت کے بعد آپ سابقہ شریعتوں میں سے کسی شریعت کے مکلف نہیں تھے۔

نبی ﷺ کے فرشتہ کو پہچاننے کی تحقیق

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ جب ابتداء میں فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آیا تو آپ کو کیسے یقین ہو گیا کہ یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں، علامہ سعیدی فرشتہ پہچاننے کی تحقیق میں عمدۃ القاری اور احیاء العلوم سے استفادہ کرتے ہیں۔ پہلے علامہ بدرالدین عینی کا موقف اور پھر امام غزالی کا موقف بیان کرتے ہیں۔ علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ جس طرح نبی اپنے صدق کے ثبوت میں امت کے سامنے معجزہ پیش کرتا ہے اسی طرح جب فرشتہ نبی کے پاس وحی لے کر آتا ہے تو وہ بھی اپنے صدق کے ثبوت میں معجزہ پیش کرتا ہے۔[(5)] جس طرح سے ہمیں ایک صفت دی گئی ہے جس سے ہم انسان اور حیوان کے درمیان امتیاز کر لیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کو بھی ایسی صفت سے نوازا ہے جس سے وہ فرشتہ اور شیطان کی پہچان کر لیتا ہے۔ امام غزالی[(6)] کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ نبی کو ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے اور ان کا مشاہدہ کرتا ہے، جس طرح بینا آدمی کو ایک ایسی صفت حاصل ہے۔ جس سے وہ اندھوں میں ممتاز ہے اور مبصرات کا ادراک کرتا ہے۔

مشکل وقت میں تسلی دینا

پہلی وحی سے متعلق جب آپ ﷺ نے غار حراء میں پیش آنے والا واقعہ بیان کیا تو حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کچھ کلمات کہے جن میں آپ ﷺ کی صفات کا بیان تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز شرمندہ نہیں کرے گا آپ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، نادار لوگوں کو مال دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں کہ

1۔ حضرت خدیجہ کو جس چیز نے مائل بہ اسلام کیا وہ آپ ﷺ کی سیرت تھی، وہ کسی خارجی معجزہ یا عقلی دلیل کے بغیر صرف آپ کی سیرت کے اعجاز کو دیکھ کر آپ کی نبوت پر ایمان لے آئیں۔

2۔ کسی کو مشکل میں دیکھ کر اسے تسلی دینا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ ہے

3۔ کسی کو تسلی دیتے ہوئے مشکل وقت میں اس کے اوصاف بیان کئے جا سکتے ہیں۔

4۔ مکارم اخلاق کا مالک ہونا، مصائب سے بچنے کا باعث ہے۔

معجزہ معراج کا بیان

علامہ سعیدی نے واقعہ معراج بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اس کی ایک اہم بحث اس حوالے سے کی گئی ہے کہ معراج مصطفی ﷺ روح مع الجسم ہوئی اس پر مختلف دلائل بھی دیئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ کے لئے لفظ عبد استعمال کیا ہے جس کا اطلاق روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ معراج روح مع الجسم تھی، نہ کہ صرف روح کو معراج کروائی گئی۔

شب معراج میں دیدار الہی

ایک اہم مسئلہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو شب معراج دیدار الہی نصیب ہوا یا نہیں۔ علامہ سعیدی نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ شب معراج اللہ تعالی کا آپ ﷺ کو دیدار ہوا۔ کیونکہ اس پر قرآن کی آیات بھی بطور دلیل موجود ہیں اور احادیث نبوی بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔

شق صدر

آپ ﷺ کا تین دفعہ شق صدر ہوا جس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے اور اس کی وجوہات بھی زیر بحث لائی گئی ہیں کہ اللہ تعالی اس سے آپ ﷺ کی عظمت کو واضح کرنا چاہتا ہے اور آپ ﷺ کے قلب انور کو تقویت پہنچا کر آپ ﷺ کو وحی الہی کے لئے تیار کرنا اور پھر اللہ سے ملاقات سے قبل آپ کے دل کو صاف شفاف کرنا مقصد ہے۔

مشکل وقت میں دعا کرنا

بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی اس حال میں حضرت ابو بکر نے آپ کو تسلی دی اور کہا یا نبی اللہ آپ کی یہ دعا کافی ہے، اللہ تعالی آپ سے کیے ہوئے وعدہ کو ضرور پورا فرمائے گا۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس قدر شدت کے ساتھ اس لیے دعا کی تھی تاکہ آپ کے اصحاب آپ کو دعا کرتے ہوئے دیکھ لیں اور آپ کی دعا کی وجہ سے ان کے دل قوی ہو جائیں، علاوہ ازیں دعا کرنا اور اللہ تعالی سے

گڑگڑا کر مانگنا عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آپ کو کفار کے لشکر یا کفار کے قافلہ میں سے کسی ایک پر فتح عطا فرمائے گا اور قافلہ نکل چکا تھا، اس لیے اب کفار کے لشکر پر آپ کو فتحیاب کرنا متعین ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے اس لیے شدت سے دعا کی تاکہ یہ فتح جلد حاصل ہو اور مسلمانوں کو زیادہ ضرر پہنچے بغیر فتح حاصل ہو جائے۔(7)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ خطابی نے کہا ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گمان کرنا جائز نہیں ہے کہ اُس وقت حضرت ابو بکر اللہ کی نصرت پر رسول اللہ ﷺ سے زیادہ پُر امید تھے، کیونکہ نبی ﷺ کے اس قدر گریہ وزاری سے دعا کرنے کی وجہ آپ کی صحابہ پر شفقت اور ان کے دلوں کو تقویت دینا تھی کیونکہ یہ صحابہ کا پہلا جہاد تھا اس لیے آپ نے سخت آہ وزاری سے دعا کی کیونکہ صحابہ کو یقین تھا کہ آپ کی دعا مستجاب ہوتی ہے اس وقت نبی ﷺ مقام خوف میں تھے اور یہ بندہ کا انتہائی کامل مقام ہے اور آپ کے نزدیک یہ جائز تھا کہ اس دن مدد نہ آئے کیونکہ مدد کا وعدہ مجمل تھا بہر حال یہ وہم کرنا قطعاً باطل ہے کہ اس موقع پر حضرت ابو بکر کو زیادہ طمانیت حاصل تھی بلکہ حضرت ابو بکر کو یہ یقین تھا کہ حضور نے اس قدر شدت گریہ سے جو دعا کی ہے وہ ضرور باریاب ہو کر رہے گی۔(8)

اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت مبارک ہے۔ دوسرا یہ کہ مشکل حالات میں کسی کو تسلی دینا اور اس کی ہمت بڑھانا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

رسول ﷺ کے علم کا بیان

میدان بدر میں رسول پاک ﷺ نے بدر میں پیشگی فرما دیا تھا کہ فلاں کافر اس جگہ مرے گا اور فلاں کافر اس جگہ مرے گا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس جگہ جس کافر کا نام لے کر ارشاد کیا تھا وہ کافر اسی جگہ مرا اور اس سے سر مو متجاوز نہیں ہوا۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے عظیم معجزہ اور آپ کے علم کی وسعت کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ علم دیا تھا کہ کون کہاں مرے گا اور یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں ہے۔ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوت (9) ''اور کوئی شخص نہیں جانتا

کہ وہ کہاں مرے گا۔" کیونکہ اس آیت میں علم ذاتی کی نفی ہے یعنی وہ علم جو از خود ہوتا ہے اور حدیث میں اس علم کا ثبوت ہے جو اللہ کی عطا سے ہے۔

لہذا یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا ہے جس کا واضح ثبوت بدر کے مقتولین کی جائے قتل کی نشاندہی کرنا ہے۔

سلب کا مفہوم

دوران جنگ اگر مجاہد کسی کو قتل کردے تو اس کا اسلحہ وغیرہ اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے اس بارے میں علامہ سعیدی نے تحقیقی بحث تحریر کی ہے کہ علامہ زبیدی کے نزدیک سلب مفعول کے معنی میں ہے یعنی بمعنی مسلوب، یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کو جنگ میں ایک شخص دوسرے شخص کے پاس سے چھین کر حاصل کرتا ہے، یہ چیزیں اس کا لباس اس کے ہتھیار اور اس کی سواری ہے۔ ہر وہ چیز جو کسی انسان کے پاس ہو وہ سلب ہے اور انسان مال غنیمت میں سے جو چیز چھین کر حاصل کرتا ہے وہ بھی سلب ہے، حدیث میں ہے "من قتل قتیلا فله سلبه "جو شخص کسی کو قتل کرے وہ اس کی سلب کا حقدار ہے۔" اس کی جمع اسلاب ہے۔[10]

سلب میں کون کونسی چیز شامل ہے

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں: سلب کی تفسیر میں اختلاف ہے اوزاعی اور ابن حبیب کہتے ہیں کہ گھوڑا اور اس کی زین سلب میں داخل ہے خواہ زین میں سونا، چاندی اور جواہرات ہوں اور مقتول کے اوپر جو لباس، ہتھیار اور زیورات ہوں اور اس کا گھوڑا اور ٹیکا اور کنگن اور انگوٹھی اور طوق اور تاج وغیرہ یہ سب سلب ہیں، امام شافعی کا بھی ایسا ہی قول ہے البتہ کنگن اور جو زیورات جنگ میں نہیں پہنے جاتے ان میں امام شافعی کو تردّد ہے۔۔۔ دشمن کے لشکر میں مقتول کے جو اموال پائے جائیں ان کے متعلق امام شافعی کے دو قول ہیں۔[11] حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: جمہور کے نزدیک لڑنے والے کے پاس جو ملبوس وغیرہ پایا جائے وہ سلب ہے امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس میں سواری داخل نہیں ہے اور امام شافعی سے ایک روایت ہے کہ یہ آلات جنگ کے ساتھ مخصوص ہے۔[12]

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: مقتول جو چیزیں پہنے ہوئے ہو وہ سب سلب ہے، مثلاً کپڑے، عمامہ، ٹوپی، منطقہ، زرہ، خود، تاج، کنگن اور موزے وغیرہ اور ان چیزوں میں جو زیورات ہوں وہ بھی سَلَب ہیں۔۔۔

امام اوزاعی، مکحول اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے لیکن امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جن چیزوں کی جنگ میں ضرورت پڑتی ہے وہ سلب نہیں ہیں جیسا کہ تاج، کنگن اور طوق وغیرہ اور ہمیان بھی جس میں خرچ کے لیے مال ہو۔

علامہ المرغینانی حنفی کے نزدیک مقتول کے کپڑے، اس کے ہتھیار اور اس کی سواری سلب ہے، اس طرح اس کی سواری پر جو زین اور دیگر آلات ہوں وہ بھی سلب ہیں، اسی طرح اس کی سواری میں جو مال ہو یا اس کی ہمیان (کمر سے بندھی ہوئی تھیلی) میں جو مال ہو وہ بھی سلب ہے اور اس کے علاوہ جو چیز ہو وہ سلب نہیں ہے، اسی طرح اگر دوسری سواری پر اس کا غلام ہو تو وہ بھی سلب نہیں ہے۔(13)

سلب کس کا حق ہے

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں اس میں سب علماء کا اتفاق ہے کہ قاتل مقتول کے سلب کا مستحق ہوتا ہے، کیونکہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: جو شخص کسی کو قتل کرے گا اس مقتول کا سلب قاتل کو ملے گا۔

سَلَب ہر قاتل کے لیے ہے جو خواہ وہ مال غنیمت میں سے حصہ کا مستحق ہو یا معمولی چیز کا جس شخص کو مال غنیمت سے حصہ نہیں ملتا اس کے متعلق امام شافعی کے دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ سلب کا مستحق نہیں ہوگا۔ کیونکہ مال غنیمت کا حصہ زیادہ مؤکد ہے اور جب وہ اس کو نہیں لے گا تو وہ سلب کا بطریق اولیٰ مستحق نہیں ہوگا کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غلام جب اپنے مولیٰ کی اجازت سے مبارزت کرے اور کسی کو قتل کر دے تو وہ سلب کا مستحق نہیں ہے البتہ اس کو معمولی چیز دی جائے گی اور غلام، عورت، بچے اور مشرک مال غنیمت سے حصہ کے مستحق نہیں ہوتے بلکہ اس کو تھوڑی سی کوئی چیز دی جاتی ہے اس لیے وہ سلب کے بھی مستحق نہیں ہیں۔(14)

استحقاق سلب کی شرائط

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: سلب کے استحقاق کی چار شرطیں ہیں:

1. مقتول ان لڑنے والوں سے ہو جن کا قتل کرنا جائز ہے، اگر کسی شخص نے عورت، بچے، شیخ فانی یا بہت کمزور شخص کو قتل کر دیا اسی طرح جو لوگ جنگ نہیں کرتے ان کو قتل کرنے سے سلب کا

مستحق نہیں ہو گا اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، ہاں اگر ان میں سے کوئی جنگ کر رہا ہو تو پھر اس کو قتل کرنے سے سَلَب کا مستحق ہو گا۔

2. اگر ایک شخص نے مقتول کے اعضاء کاٹ کر اس کو بے بس کر دیا اور دوسرے شخص نے اس کو قتل کر دیا تو سلب کا مستحق اعضاء کاٹنے والا ہے کیونکہ اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ کرنے والا وہی ہے، حضرت معاذ بن عمرو بن جموح نے تلوار مار کر ابو جہل کو گرایا اور حضرت ابن مسعود نے اس کا سر کاٹا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی سلب کا فیصلہ حضرت معاذ کے لیے کیا اور حضرت ابن مسعود کو اس کی سلب سے کچھ نہیں دیا۔امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

3. اگر ایک شخص کسی کو زخمی کر دے اور اس کا اچھی طرح خون بہادے تو زخمی بھی حکماً مقتول ہے، امام احمد یہ کہتے ہیں کہ سلب صرف قاتل کے لیے ہے اگر کوئی شخص کسی کو قید کرے تو وہ اس کی سلب کا مستحق نہیں ہو گا خواہ اس کو امام قتل کرے یا نہ کرے، کیونکہ جنگ بدر میں مسلمانوں نے کافروں کو قید کر لیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں میں سے عتبہ اور نضر بن حارث کو قتل کر دیا اور قید کرنے والوں کو ان کی سلب نہیں دی۔

4. قتل کرنے والا اس قتل میں مستقل اور منفرد ہو اگر اس نے مسلمانوں کی صفوں میں سے کسی کو تیر مارا اور وہ مر گیا تو سلب کا مستحق نہیں ہے، امام احمد نے کہا ہے کہ قاتل کے لیے سلب اس وقت ہو گی جب وہ مبارزت (للکارے) کرے، اسی طرح اگر مسلمانوں کی ایک جماعت نے مل کر کسی کو قتل کیا تو وہ بھی اس کی سلب کے مستحق نہیں ہوں گے۔ (15)

سلب سے خمس نکالنا

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: سلب میں سے خمس نہیں لیا جائے گا، حضرت سعد بن ابی وقاص، ابن منذر اور ابن جریر کا بھی یہی قول ہے اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اس میں سے خمس لیا جائے گا امام اوزاعی اور مکحول کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ(16)'' یاد رکھو تم نے مال غنیمت میں سے جو کچھ حاصل کیا ہے اس میں سے اللہ کے لیے پانچواں حصہ ہے۔'' ایک دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے انہوں نے فرمایا'' ہم سلب سے خمس نہیں نکالتے

تھے۔" ابن سیرین نے روایت کیا ہے کہ براء بن مالک نے بحرین میں مرزبان سے مبارزت کی اور نیزہ مار کر اس کو قتل کر دیا اور اس کے کنگن اُتار لیے جب حضرت عمر تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا ہم پہلے سلب میں سے خمس نکالیں گے پھر خمس نکالا گیا اور براء کی سلب تیس ہزار کو پہنچتی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ حضرت ابو بکر کے دورِ خلافت اور حضرت عمر کے ابتدائی ایام میں یہی معمول تھا کہ سلب میں سے خمس نہیں نکالا جاتا تھا اور آپ کی اتباع اولیٰ ہے، جوزجانی نے کہا جس چیز میں رسول اللہ ﷺ کی پہلے کوئی ہدایت آچکی ہے اس چیز میں آپ کی ہدایت کے سوا اور کسی کی اتباع جائز نہیں ہے اور نبی ﷺ کے اس فعل کی بناء پر قرآن مجید کی آیت (انفال: ۸/ ۴۱) کے عموم میں تخصیص کی جائے گی کیونکہ آپ قرآن مجید کے شارح ہیں اور قرآن مجید کی مراد کو آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام نے سلب لینے کے لیے کہا ہو یا نہیں، ہر حال میں قاتل سلب کا مستحق ہو گا۔ امام اوزاعی، لیث، امام شافعی، اسحاق، ابو عبید اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ثوری نے یہ کہا ہے کہ قاتل سلب کا اس وقت مستحق ہو گا جب امام یا امیر لشکر قاتل کے لیے سلب کی شرط لگائے گا، امام مالک نے کہا ہے کہ امیر لشکر کہے گا تو قاتل سلب کا مستحق ہو گا، امام احمد سے بھی ایک قول ان کے قول کی طرح منقول ہے کیونکہ امام مسلم اور امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عوف بن مالک نے ایک کافر کو قتل کر دیا حضرت خالد نے اس کی سلب کو زیادہ سمجھ کر وہ حضرت عوف کو نہیں دی، جب حضرت عوف نے اس کی رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو پہلے آپ نے حضرت عوف کے حق میں فیصلہ کیا لیکن جب حضرت عوف نے اس فیصلہ کی وجہ سے حضرت خالد کی تخفیف کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے خالد! اس کو سلب مت دو" نیز حضرت عمر نے حضرت براء کی سلب سے خمس لے لیا اگر سلب ان کا حق ہوتا تو اس سے خمس نہ لیتے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وَمَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهُ سَلَبُه (17)"، جس شخص نے کسی کو قتل کیا اس کی سلب کا وہی حقدار ہے۔" یہ رسول اللہ ﷺ کا مشہور فیصلہ ہے جس پر خلفائے راشدین نے عمل کیا ہے، حضرت عمر کا یہ کہنا کہ "ہم سلب میں سے خمس نہیں لیتے تھے۔" اس پر دلیل ہے کہ یہ حکم ہر قاتل کے لیے عام اور مستمر ہے اور اس پر ہر غزوہ میں عمل ہوتا رہا ہے اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عوف کو جو سلب نہیں دی یہ اس کی سزا تھی کہ انہوں نے حضرت خالد کی تخفیف کی تھی اور امام احمد کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ سلب لینے کے لیے امام کی اجازت حاصل کرنا مستحب ہے۔[18]

سلب کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ سلب لشکر کے مال غنیمت سے ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو مال غنیمت کا ہے (یعنی اس سے خمس نکالا جائے گا۔) البتہ اگر امام نے یہ کہہ دیا کہ ''جس شخص نے کسی کو قتل کیا تو اس کی سلب اس کو ملے گی'' اس صورت میں سلب کا صرف قاتل مستحق ہو گا (اور اس سے خمس نہیں نکالا جائے گا۔)

علامہ ابو الحسن المرغینانی حنفی لکھتے ہیں: جب سلب قاتل کو نہیں دی جائے گی تو اس کا شمار مال غنیمت سے ہو گا، اس میں قاتل اور غیر قاتل دونوں برابر ہیں، امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جب قاتل غنیمت لینے کا اہل ہو تو صرف وہی سلب لینے کا مستحق ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے وَمَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهُ سَلَبُه[19] ''جس نے کسی شخص کو قتل کیا تو اس کے لیے مقتول کی سلب ہے۔'' اور بظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شرعی حکم بیان کیا ہے کیونکہ آپ شرعی حکم بیان کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور قاتل نے اس کو قتل کرنے میں زیادہ مشقت اٹھائی ہے اس لیے وہ اس کی سلب کے ساتھ مختص ہو گا تاکہ اس میں اور دوسروں میں فرق واضح ہو۔

علامہ المرغینانی حنفی کے مطابق کیونکہ قاتل نے مقتول کو لشکر کی قوت سے قتل کیا ہے اس لیے اس سے چھینا ہوا سلب مال غنیمت میں شمار ہو گا اور مال غنیمت کی طرح اس کی تقسیم کی جائے گی[20]

علامہ ابن ہمام کے نزدیک متعدد احادیث سے یہ ثابت ہے کہ سلب کا قاتل کے لیے ہونا ہمیشہ کے لیے قاعدہ نہیں ہے اور ہر چند کہ یہ احادیث ضعیف السند ہیں لیکن تعداد طرق روایت سے یہ درجہ حسن کو پہنچتی ہیں اور صحیح مسلم اور سنن ابو داؤد میں ہے کہ حضرت عوف بن مالک کی سلب میں جب ان کا اور حضرت خالد بن ولید کا مناقشہ ہوا تو پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عوف کے حق میں فیصلہ کیا لیکن جب حضرت عوف نے حضرت خالد کی تخفیف کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوئے اور حضرت خالد سے فرمایا: اے خالد! ان کو سلب واپس نہ کرنا، کیا تم میرے امراء (کی اطاعت) کو ترک کر رہے ہو؟ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ

سلب کا قاتل کے لیے ہونا کوئی لازمی اور ابدی قانون نہیں ہے بلکہ یہ امام کی مرضی پر موقوف ہے خواہ وہ قاتل کو دے یا نہ دے اور جب یہ قاتل کا حق نہیں ہے تو پھر یہ مال غنیمت ہے اور اس سے خمس نکالا جائے گا یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔[21]

اس سے معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک سلب کے مال غنیمت کا حصہ ہونے کی وجہ سے اس سے خمس نہیں نکالا جائے گا۔

مال غنیمت اور مال فئے مسلمانوں کو دینے کی وجہ

کفار سے جس نوع کے بھی اموال حاصل ہوتے ہیں ان سب کی حقیقت یہ ہے کہ کفار کے باغی ہو جانے کی وجہ سے بحق سرکار ضبط ہونے کے بعد وہ اموال ان کی ملکیت سے نکل جاتے ہیں اور مالک حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹ جاتے ہیں، اس لیے اموال کے اللہ کے طرف پلٹ آنے کو افاء اور فیئ سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن جن اموال کے حصول میں مسلمانوں کی جنگ اور جہاد کا دخل ہوتا ہے اس مال کو اللہ تعالیٰ نے لفظ غنیمت سے تعبیر فرمایا ارشاد ہوا: " وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ "[22] جان لو کہ جو مال تم نے بطور غنیمت حاصل کیا ہے۔" اور کفار کے جس مال کے حصول میں جنگ اور جہاد کی ضرورت نہیں پڑتی اللہ تعالیٰ نے اس کو فئے سے تعبیر فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى[23] یعنی بنو نضیر اور بنو قریظہ کے جو اموال اللہ تعالیٰ نے بغیر جنگ کے رسول اللہ ﷺ کی طرف پلٹا دئے۔

قرآن مجید کے ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زمین اور یہاں کی ساری چیزیں اللہ کے باغیوں کا حق نہیں ہیں، اگر وہ ان چیزوں پر متصرف ہیں تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے ڈاکو اور باغی حکومت کے اموال پر قبضہ کر کے اس میں تصرف کرنے لگیں، در حقیقت تمام اموال میں اصل یہ ہے کہ ان اموال کو ان کے حقیقی مالک اللہ رب العالمین کے احکام اور اس کی اطاعت اور عبادت میں خرچ کیا جائے اور ان اموال میں اس طرح کا خرچ صرف صالحین مؤمنین ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے جو اموال بھی ایک جائز اور صحیح جنگ کے نتیجے میں کفار کے قبضہ سے نکل کر اہل ایمان کے قبضہ میں آجائیں ان کی حقیقی حیثیت یہ ہے کہ ان کا مالک انہیں اپنے خائن ملازموں کے قبضہ سے نکال کر اپنے فرمانبردار ملازموں کی طرف پلٹاتا ہے۔ اس لیے ان املاک کو اسلامی قانون کی اصطلاح میں فئے (پلٹا کر لائے ہوئے اموال) کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید سے اموال فئے کے وقف ہونے پر دلائل

علامہ سعیدی نے مال فئے کے وقف ہونے پر دلائل دیئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ[24]

اور جو مال اللہ نے کفار کے قبضہ سے نکال کر اپنے رسول کی طرف لوٹا دیے وہ ایسے مال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس چیز پر چاہتا ہے غلبہ عطا فرماتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں کے لوگوں (بنو نضیر) سے اپنے رسول کی طرف لوٹا دیا اور اللہ، رسول، (رسول کے) رشتہ داروں، یتامیٰ مساکین، اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ یہ مال تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش کرتا نہ رہے۔

اس کے بعد فرمایا: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِم[25] اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو پہلوں کے بعد آئے ہیں۔ ان آیات سے واضح ہو گیا کہ مال خمس اور مال فئے کے مصارف ایک جیسے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اموال کسی شخص کی شخصی ملکیت میں نہیں دیے، حتی کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان اموال کا شخصی مالک نہیں بنایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ اموال آپ کی تولیت اور انتظام میں کر دیے اور ان کے مصارف متعین کر دیے تاکہ آپ ان اموال کو اپنی ضروریات میں خرچ کریں، اپنے قرابت داروں میں صرف کریں اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کریں چنانچہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان اموال کو اسی طرح خرچ کرتے تھے، نیز اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا ہے کہ ان اموال کے یہ مصارف اس لیے مقرر کیے ہیں تاکہ یہ مال تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش کرتا نہ رہے، اس سے واضح ہو گیا کہ مال فئی کا کوئی شخص شخصی مالک نہیں ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے نیز ان آیات کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِم[26] (اور یہ مال ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو پہلوں کے بعد آئے ہیں" اس آیت سے بھی

یہ واضح ہو گیا کہ اموال فئے کسی شخص کی نجی اور شخصی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ یہ مسلمانوں کے مفاد عامہ اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے قیامت تک وقف ہوتے ہیں اور اموال فئے کے وقف ہونے پر سورۂ حشر کی یہ نصوص قطعیہ ناطق اور شاہد ہیں۔

اموال فئ کے متعلق امام ابو عبید کا نظریہ

علامہ سعیدی نے اموال فئ کے متعلق امام ابو عبید کے حوالے سے ان کا نظریہ پیش کرتے ہیں کہ امام ابو عبید، زید بن اسلم کے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ سنا کہ اگر مجھے بعد میں آنے والے مسلمانوں کو خیال نہ ہوتا تو میں یہ مفتوحہ علاقہ اس طرح تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر تقسیم کر دیا تھا۔[27] امام ابو عبید، قیس بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ قادسیہ میں قبیلہ بجیلہ کی تعداد تمام فوج کی چوتھائی تھی اس وجہ سے حضرت عمر نے ان کو سواد عراق کا چوتھائی حصہ دے دیا، اس پر وہ دو تین سال قابض رہے، اس کے بعد عمار بن یاسر، جریر بن عبداللہ کے ساتھ حضرت عمر کے پاس آئے تو حضرت عمر نے جریر بن عبداللہ سے کہا: اے جریر! اگر میں تقسیم کرنے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ نہ ہوتا تو میں اس علاقے کو تمہارے قبضہ ہی میں رہنے دیتا لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آبادی بڑھ گئی ہے اور میری رائے یہ ہے کہ تم وہ علاقہ ان لوگوں (اہل قادسیہ) کو واپس دے دو، جریر نے حضرت عمر کی اس رائے پر عمل کیا اس پر حضرت عمر نے ان کو اسی دینار انعام میں دیے۔[28]

ان تمام روایات کو بیان کرنے کے بعد امام ابو عبید اپنی رائے یہ دیتے ہیں کہ صحیح بات وہی ہے جس کو سفیان نے بیان کیا ہے جس علاقہ پر فوجی طاقت کے ذریعہ قبضہ کیا جائے اس کا فیصلہ مسلمانوں کے امیر کی صواب دید پر ہے، وہ چاہے تو عامۃ المسلمین کی فلاح و بہبود کو مد نظر رکھتے ہوئے اس علاقہ کو غنیمت میں شمار کرے اور وہ چاہے تو اس کو فئ قرار دے، اس چیز کی وضاحت خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریق کار سے ہو رہی ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث پیش کر رہے ہیں کہ آپ نے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا اور دوسری طرف وہ خود ہی یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ اگر مجھے بعد میں آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر مفتوحہ علاقہ کو (مسلمان فاتحین میں) اسی طرح تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو تقسیم کیا تھا۔[29]

یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو زمینیں غلبہ اور فوجی طاقت کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں ان میں مسلمانوں کے امیر کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی ایک طریقہ پر عمل کرے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت عمر کبھی رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سے دانستہ تجاوز نہ کرتے۔

مسئلہ فدک

علامہ سعیدی باب حکم الفئی کی حدیث نمبر ۴۴۶۲ کا ترجمہ کرنے کے بعد مسئلہ فدک کی وضاحت کرتے ہیں کہ علماء اہل سنت اور علماء شیعہ کے درمیان یہ ایک بہت معرکہ آراء مسئلہ ہے، علماء شیعہ کہتے ہیں کہ فَدَک کا علاقہ حضرت فاطمہ کا حق تھا جو حضرت ابو بکر نے ان کو نہیں دیا، اس کی تفصیل میں کبھی وہ یہ کہتے ہیں کہ فَدَک کا علاقہ رسول اللہ ﷺ کی میراث میں حضرت فاطمہ کو ملنا تھا لیکن حضرت ابو بکر نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا اور کبھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں حضرت فاطمہ کو فدک ہبہ کر دیا تھا، حضرت فاطمہ نے اس ہبہ کے ثبوت میں حضرت علی اور ام ایمن کو بطور گواہ پیش کیا لیکن حضرت ابو بکر نے اس گواہی کو تسلیم نہیں کیا اور ان کو فدک نہیں دیا، علماء اہل سنت کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہے کہ فاطمہ نے ہبہ کا دعویٰ کیا تھا البتہ حضرت فاطمہ نے وراثت کی رُو سے اپنا حصہ مانگا تھا کیونکہ ان کی رائے یہ تھی کہ اہل بیت کی ضروریات کے بعد جو حضور کا ترکہ باقی بچے گا اس میں وراثت جاری ہو گی، وہ اس حدیث میں تخصیص کی قائل تھیں، اس کے برخلاف حضرت ابو بکر اس حدیث کو عموم پر رکھتے تھے، ابتداء میں حضرت فاطمہ نے اس سے اختلاف کیا، لیکن جب حضرت ابو بکر نے یقین دلایا کہ وہ فدک کی آمدنی کو اہل بیت کی ضروریات پر خرچ کرتے رہیں گے تو حضرت فاطمہ راضی ہو گئیں۔

علامہ سعیدی نے اس مسئلہ کی تحقیق میں پہلے فدک کا جغرافیائی محل وقوع [30] اور اس کی لغوی تحقیق بیان کی ہے اس کے بعد قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور معتبر کتب شیعہ کے حوالوں سے یہ بیان کیا ہے کہ فَدَک از قبیل فئی تھا اور فئی وقف ہوتا ہے اور جو چیز وقف ہو وہ کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہوتی، وہ کسی کو ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ اس میں میراث جاری ہو سکتی ہے، پھر معتبر کتب شیعہ سے یہ بیان کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی لہٰذا فدک کے بطور وراثت ملنے کی بنیاد نہ رہی۔ علماء شیعہ نے اہل سنت کی جن کتابوں سے یہ دلیل پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا

تھااس کا جواب بیان کیا ہے اور اس سلسلہ میں تمام شبہات کا ازالہ کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس جملہ کی وضاحت کی ہے ''سو تم دونوں (یعنی حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جھوٹا، گنہ گار، خائن اور عہد شکن گمان کیا!

فَدَک کی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت کا خلاصہ یہ ہے کہ فَدَک خیبر سے دو تین دن کی مسافت پر ایک دیہات تھا جس میں بکثرت باغات اور چشمے تھے، ۳۳۶ھ کے بعد فدک ویران ہو گیا اور اب اس نام کی وہاں کوئی بستی نہیں ہے البتہ حافظ وہبہ کے بیان کے مطابق حرہ خیبر کے آخری سرے پر الحویط نامی ایک گاؤں ہے اور یہ اسی جگہ پر واقع ہے جہاں کسی زمانہ میں فدک تھا۔ علامہ شیعہ نے فدک کی تحدید میں ناقابل فہم مبالغہ کیا ہے اصول کافی میں ہے کہ امام ابوالحسن نے بتایا کہ اُحد سے لے کر مصر تک فدک ہے اور ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ امام موسیٰ کاظم نے ہارون رشید سے کہا کہ فَدَک کی ایک حد عدن ہے، دوسری سمرقند ہے تیسری حد افریقہ ہے اور چوتھی حد سمندر کا وہ کنارہ ہے جو آرمینہ سے ملا ہوا ہے۔ شیعہ حضرات کے دیگر خلاف واقع دعاوی کی طرح یہ بھی ایک افسانوی دعویٰ ہے جس کا تاریخ اور جغرافیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ (31)

فَدَک رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہوا تھا اور جو علاقہ بغیر جنگ کے حاصل ہو وہ فئی ہوتا ہے اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ جو علاقہ فئی ہو وہ کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وقف ہوتا ہے اور وقف میں وراثت جاری نہیں ہوتی لہٰذا ثابت ہو گیا کہ فدک میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی۔

فدک کے دعوی ہبہ کا قرآن مجید کی روشنی میں ایک جائزہ

علامہ سعیدی فدک کے حوالے سے یہ بات واضح کرتے ہیں کہ علماء شیعہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ فدک فئی ہے اور سورۂ حشر کی آیات سے ثابت ہے کہ جو چیز وقف ہو اس کو ہبہ کرنا جائز نہیں ہے، اس طرح فدک کو ہبہ کرنے کا دعویٰ از روئے قرآن باطل قرار دیتے ہیں۔ دعویٰ ہبہ کے بطلان کی دوسری وجہ یہ ہے کہ علماء شیعہ نے وآت ذاالقربیٰ حقہ سے فدک کو ہبہ کرنے پر استدلال کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس حکم پر عمل کرنے کے لیے فدک حضرت فاطمہ کو دے دیا، یہ دلیل اس لیے باطل ہے کہ یہ آیت سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ روم میں ہے اور یہ دونوں سورتیں مکی ہیں اور مکہ میں فدک تھا کب کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ حضرت فاطمہ کو دے دیا ہو، مدینہ میں تشریف لانے کے سات سال بعد خیبر فتح ہوا

ہے اور اس کے بعد صلح کے نتیجہ میں بغیر جنگ کے فدک حاصل ہوا۔ چنانچہ بعض محققین شیعہ نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ اس آیت سے فدک کو ہبہ کرنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ سورۂ حشر کی آیات سے واضح ہو گیا کہ فئی وقف ہوتا ہے اور وقف کو ہبہ نہیں کیا جا سکتا اور چونکہ فدک بھی بالاتفاق فئی ہے لہٰذا اس کو بھی ہبہ نہیں کیا جا سکتا اور واٰت ذا القربیٰ حقہ سے فدک کو ہبہ کرنے پر استدلال دو وجہ سے صحیح نہیں ہے اول یہ آیت مکی ہے دوئم اس میں حکم عام ہے اور ان دونوں چیزوں کا علماء شیعہ نے بھی اعتراف کر لیا ہے۔

بوقت ضرورت نماز میں تخفیف

نماز میں تخفیف کے باب کی احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے بچوں، بوڑھوں اور ضرورت مند لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے آئمہ کو نماز میں تخفیف کرنے کا حکم دیا ہے یعنی نماز میں قرأت کو کم کیا جائے جب کہ بعض احادیث میں رسول پاک ﷺ نے بعض اوقات مغرب کی نماز میں دو پارے بھی قرأت کی ہے۔ امام ابوداؤد کے حوالے سے حدیث نقل کرتے ہیں امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں۔

عن مروان بن الحکم قال قال لی زید بن ثابت مالک تقرأ فی المغرب بقصار المفصل وقد رأیت رسول اللہ ﷺ یقرأ فی المغرب بطولی الطولیین قال مالطولی الطولیین قال الاعراف والاخر الانعام وسالت انا ابن ابی ملیکۃ فقال لی من قبل نفسہ المائدہ والاعراف [32]

علامہ سعیدی حدیث بیان کرنے کے بعد ملا علی قاری کے حوالے سے بھی لکھتے ہیں اس کے بعد اپنا تبصرہ بھی کرتے ہیں کہ: ''مہر ذوق یہ ہے کہ آپ ﷺ کے پیچھے جب کمزور نماز پڑھتے تو ان کی کمزوری دور ہو جاتی تھی، بیماروں کی بیماری جاتی رہتی تھی اور کام والوں کے کام بن جاتے تھے اور یہ ٹھیک ہے کہ مغرب کی نماز میں وقت کم ہوتا ہے لیکن جب آپ قرأت کرتے تھے تو وقت کی نبض بھی رُک جاتی اور گردش لیل ونہار بھی ٹھہر جاتی تھی۔ [33]

گستاخ رسول کا حکم

علامہ سعیدی نے یہاں پر تمام ائمہ کرام کے مؤقف بیان کیے ہیں، اور توہین رسالت کو کفر ثابت کیا ہے اور علامہ شامی، علامہ قاضی عیاض، ابن تیمیہ، عسقلانی اور علامہ شامی حنفی کا نقطہ نظر بیان کرنے کے بعد

آخر میں علامہ سعیدی خلاصہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ گستاخ رسول کی (دنیاوی احکام میں) توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو قتل کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ (دنیاوی احکام میں) اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔[34]

گستاخانہ کلام میں تاویل کی گنجائش

علامہ سعیدی لکھتے ہیں کہ عام طور پر مشہور یہ ہے کہ جس کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا ہو اس کلام کو اسلام پر محمول کیا جائے گا اور قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی اس کے متعلق علامہ سعیدی نے علامہ علائی اور علامہ ابن نجیم کا نقطہ نظر بیان کیا ہے نقطہ نظر بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ جس جملہ میں متعدد احتمالات ہوں اور ان احتمالات میں سے کچھ کفریہ ہوں اور کچھ غیر کفریہ اس وقت یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مفتی کو چاہیے کہ وہ قائل کے کلام کو غیر کفریہ معنی پر محمول کرے لیکن اگر کسی کلام کے متعدد احتمالات نہ ہوں بلکہ صرف ایک معنی ہو اور وہ معنی خدانخواستہ کفریہ ہو تو اب مفتی کے لیے قائل کی تکفیر کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

گستاخانہ کلام میں توہین کی نیت کی بحث

علامہ سعیدی نے گستاخانہ کلام میں توہین کی نیت کے متعلق ایک تحقیقی بحث کی ہے کہ کوئی شخص نبی ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولتا ہے اور جب اس کی تکفیر کی جائے تو وہ اپنے دفاع میں کہتا ہے کہ اس کلمہ سے میری نیت یہ نہیں تھی آیا اس کا یہ جواب صحیح ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں تحقیق کی ہے اور اہل علم کے نقطہ ہائے نظر بھی بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ اگر اس کلمے کے مختلف معنی ہوں اس کے متعلق قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا فلاں معنی مراد تھا گستاخانہ معنی مراد نہیں تھا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر جس لفظ کا از روئے لغت یا عرف یا شرع کے اعتبار سے صرف ایک ہی معنی ہو اور وہ معنی گستاخانہ بھی ہو تو تکفیر کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہوگا۔

قاضی عیاض کے نزدیک صریح لفظ میں تاویل قبول نہیں ہوتی ان کی عبارت بیان کرنے کے بعد خلاصۃً بیان کرتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ جس شخص نے نبی ﷺ کی

ذات یا آپ کی صفات مثلاً کمال علم یا کمال قدرت کے متعلق کوئی نازیبا بات کہی خواہ اس کا قصہ اور نیت توہین نہ ہو اور نہ وہ اس کا اعتقاد رکھتا ہو بلکہ وہ آپ کے کمالات کا قائل ہو پھر بھی اس نازیبا بات کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا اور اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ ملا علی قاری حنفی اور علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی نے بھی اس عبارت کو مقرر رکھا ہے۔ (ملخصاً)(35)

عہد رسالت میں اہانت رسول کرنے والے کو قتل نہ کرنے کی وجوہات

علامہ سعیدی نے عہد رسالت میں اہانت رسول کرنے والوں کو قتل نہ کرنے کی وجوہات بیان کی ہیں کہ اگر گستاخی کرنے والوں کو آپ قتل کرنے کا حکم دیتے تو لوگ یہ سمجھ بیٹھتے کہ آپ اپنے لوگ قتل کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ان کو قتل کیا جاتا تو لوگ اسے اسلام میں طعن کا ذریعہ بنا لیتے اور تبلیغ اسلام میں دشواری اور رکاوٹ ہوتی اور تیسری وجہ امر تکوینی تھا کہ آپ کے علم میں یہ بات تھی کہ اس کی نسل سے کچھ لوگوں کو پیدا ہونا اللہ تعالیٰ مقدر فرما چکا ہے جس شخص کو آپ نے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ حدیث نمبر ۲۳۴۵ کے مطابق غزوہ حنین کی واپسی پر جعرانہ کے مقام پر جب آپ ﷺ چاندی تقسیم فرما رہے تھے تو ایک شخص نے کہا اے محمد عدل کر! تمہیں عذاب ہو اگر میں عدل نہیں کروں گا تو ان سے کون عدل کرے گا۔ حضرت عمر نے کہا (ایک روایت میں حضرت خالد بن ولید کا ذکر ہے) یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں آپ نے فرمایا معاذ اللہ! کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ میں اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہوں۔

علامہ سعیدی نے علامہ دشتانی کے حوالے سے لکھا ہے انہوں نے قاضی عیاض کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی ﷺ نے ان منافقین کو قتل کیوں نہیں کیا جو رسول اللہ ﷺ کو بالعموم ایذاء پہنچاتے تھے اور اس شخص کو کیوں نہیں قتل کیا جس نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا اس تقسیم سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کیا گیا اور ایک مرتبہ کہا عدل کر! ایک یہودی نے آپ کو السام علیک (تم پر موت ہو) کہا تھا حالانکہ یہ بددعا تھی۔ ان سب کو ایک جواب یہ بتایا ہے کہ آپ ﷺ نے منافقین کو اس لیے قتل نہیں کیا کہ وہ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ ان کے ایمان قبول کرنے کے خواہشمند تھے اس لیے ان کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرتے تھے یہاں تک کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی وجہ سے اسلام کو تقویت ملی۔(36)

رسول اللہ ﷺ کی مغفرت ذنب ﷺ کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو معصوم عن الخطا پیدا فرمایا ہے انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں معصوم سے مراد گناہوں سے پاک ہوتے ہیں ہمارے نزدیک آپ کا کوئی فعل حقیقۃ فعل ہے نہ صورۃ لیکن قرآن مجید میں ہے۔لِّیَغْفِرَ لَکَ اللہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ [37] اس کی تفسیر مختلف لوگوں نے مختلف انداز میں کی ہے تو علامہ سعیدی نے اس کے متعلق بڑی عمدہ بحث کی ہے حدیث نمبر ۲۴۸۴ میں حضرت عمر بن ابی سلمہ نے حضرت محمد ﷺ سے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی ہے اس لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ذنب اور مغفرت ذنب کا کیا مطلب ہے کیونکہ ہمارے نزدیک آپ کا کوئی فعل گناہ نہیں ہے۔

علامہ سعیدی نے بہت سے اہل علم کے نقطہ نظر کو شامل کیا ہے۔علامہ ابو سعود لکھتے ہیں کہ رسول اللہ بعض اوقات تبلیغ دین اور تشریح کے پیش نظر افضل اور اولیٰ کاموں کو ترک فرما دیتے تاکہ مسلمان جان لیں کہ ان کاموں کا ترک کرنا بھی جائز ہے۔ یہاں ذنب کا اطلاق ایسے کاموں کے ترک پر فرمایا ہے اور اس کی بھی مغفرت کی نوید سنا دی ہے۔اسی طرح علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ یہاں ذنب کا اطلاق اس چیز پر ہے جو فی نفسہٖ گناہ نہیں ہے بلکہ ان کاموں کو ذنب فرمایا گیا جن کو حضور ﷺ اپنی نظر عالی کے پیش نظر ذنب خیال فرماتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ ہم نے ان کاموں کی بھی مغفرت فرما دی ہے۔

علامہ سعیدی کا تبصرہ

ان دونوں کا نقطہ نظر بیان کرنے کے بعد علامہ سعیدی اپنا تبصرہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض کاموں سے منع فرمایا اور پھر ان کاموں کو کیا بھی تاکہ مسلمان جان لیں کہ ان کاموں کا کرنا حرام نہیں ہے مکروہ تنزیہی ہے اور ان کا کرنا جائز ہے۔ لہٰذا یہاں ذنب کا اطلاق ان چیزوں پر ہے جو مکروہ تنزیہی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بھی مغفرت کر دی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا ذنب سے بر سبیل فرض گناہ مراد ہیں، یعنی اگر آپ کے بالفرض گناہ ہیں تو بھی اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے۔علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ یہ ایک عزت افزائی کا کلمہ ہے، جیسے انگریزوں کے زمانہ میں کہا جاتا تھا فلاں شخص پر سات خون معاف ہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا تھا کہ اس نے

سات خون کر دیئے ہیں جو معاف کئے گئے ہیں، بلا تشبیہ و تمثیل آپ کی عزت افزائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت ذنوب کا اعلان کیا۔

شیخ عزالدین بن سلام اور علامہ سیوطی کا بھی نقطہ نظر بیان کر کے علامہ سعیدی کہتے ہیں کہ حضور عصمت کے باوصف امتثال امر اور تواضع کی وجہ سے بکثرت استغفار کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک دن میں ستر سے زائد مرتبہ استغفار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اظہار قبولیت کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

حالتِ روزہ میں بوسہ لینے میں مذاہب

علامہ سعیدی نے باب "بیان انَّ القبلة فی الصوم لیست محرمة علی من لم تحرک شهوته" میں عنوان کے متعلق ۱۶ احادیث بیان کی ہیں۔ ان میں زیادہ تر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں جو مختلف راویوں نے روایت کی ہیں کہ "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ روزے میں (اپنی ازواج کا) بوسہ لیتے اور روزے میں (کسی زوجہ کو) چمٹا لیتے، لیکن حضور پاک ﷺ تم سب سے زیادہ اپنے جذبات پر قابو رکھنے والے تھے۔ اس کے بعد روزے میں بوسہ لینے میں مذاہب بیان کرتے ہیں کہ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ حالت صوم میں شوہر کا اپنی زوجہ کو بوسہ دینا امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک جوان کے لیے مکروہ اور بوڑھے کے لیے مباح ہے۔ امام مالک سے بھی ایک روایت اسی طرح مروی ہے البتہ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ جب تک انزال منی نہ ہو۔ (روزہ نہیں ٹوٹتا)[38]

نتیجہ بحث

مذکورہ بحث سے درج ذیل نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ علامہ سعیدی نے اپنی تصنیف شرح صحیح مسلم میں چونکہ فقہی مسائل کو زیادہ بیان کرنے پر زور دیا ہے اس لئے علامہ سعیدی نے مباحث سیرت کو تفصیلا بیان کرنے کی بجائے جزوی طور پر بیان کیا ہے اور صرف ان مباحث پر زیادہ گفتگو کی ہے جو فقہی ضروریات کے اعتبار سے معاشرے کے لیے زیادہ اہم تھیں۔ اس کے علاوہ ایسے مسائل جن میں اختلاف پایا جاتا ہے ان پر زیادہ بحث کی گئی ہے۔ واقعات سیرت سے فقہی مسائل اخذ کرنے کے حوالے سے علامہ سعیدی نے اہل علم کے نظریات اور تحقیقات کو اصل مآخذ سے استفادہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ بعض مقامات پر علامہ سعیدی نے مباحث سیرت پر بحث کرتے ہوئے دیگر اہل علم کی آراء کو بیان کر کے اپنا تبصرہ اور تجزیہ بھی پیش کیا ہے

اور ایسے مقامات بھی ملتے ہیں جہاں علامہ سعیدی دیگر اہل علم کے نظریات اور مؤقف کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں لیکن ان پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ الشعراء ۲۶: ۲۱۸،۲۱۹

2۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ "**ابراہیم کا** اپنے چچا کے لیے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو چچا نے ان سے کیا تھا، جب انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کا چچا اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔" (توبہ ۹: ۱۱۴)

3۔ سعیدی، **شرح صحیح مسلم**، فرید بک سٹال، لاہور، ۲۰۰۱ء، ج ۲، ص ۷۱۸

4۔ سعیدی، **شرح صحیح مسلم**، ج ا ص ۶۵۷-۶۵۸

5 ۔ عینی، بدرالدین محمود بن احمد حنفی، متوفی ۸۵۵ھ، **عمدة القاری**، مکتب اسلامی بیروت، 1398ھ، ج ا، ص ۶۲

6۔ غزالی، امام ابو حامد محمد، **احیاء العلوم**، دارالشاعت، کراچی، س ن، ج ا، ص ۶۵۹

7- نووی، یحیٰ بن شرف ۶۷۶ھ، **شرح مسلم**، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ، ج ۳، ص ۳

8۔ عسقلانی، شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ، **فتح الباری**، دار النشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، 1401ھ، ج ۷، ص ۲۸۹

9۔ لقمان ۳۱ : ۳۴

10۔ زبیدی، **تاج العروس**، مطبوعہ مطبعہ الخیریہ مصر ۱۳۰۲ھ، ج ا، ص ۳۰۱

11۔ دشتانی، **اکمال اکمال المعلم**، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ج ۵، ص ۶۴

12۔ عسقلانی، **فتح الباری**، ج ۶، ص ۲۴۷

13۔ مرغینانی، ابوالحسن علی بن ابی بکر حنفی متوفی ۵۹۳ھ، **ہدایہ اولین**، مکتبہ امدادیہ، ملتان، 1994ء، ص ۵۵۹

14 ۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، **المغنی مع الشرح**، دارالفکر، بیروت، 1404ھ، ج ۱۰، ص ۴۲۰-۴۱۱

15۔ ابن قدامہ، **المغنی مع الشرح**، ج۱۰، ص۴۲۰۔۴۱۱

16۔ الانفال،۸: ۴۱

17۔ ترمذی، جامع ترمذی، **کتاب السیر**، باب ماجاء فی من قتل قتیلا فلہ سلبہ

18۔ ابن قدامہ، **المغنی مع الشرح**، ملخصاً، ج۱۰، ص۴۲۰۔۴۱۱

19۔ ترمذی، **جامع ترمذی**، کتاب السیر، باب ماجاء فی من قتل قتیلا فلہ سلبہ

20۔ المرغینانی، ابوالحسن علی بن ابی بکر حنفی، **ہدایہ اولین**، ص۵۵۹

21۔ کمال الدین ابن ہمام، **فتح القدیر**، ج۵، ص۲۵۲۔۲۶۱

22۔ الانفال،۸: ۴۱

23۔ الحشر،۵۹: ۷

24۔ الحشر،۵۹: ۶-۷

25۔ الحشر،۵۹: ۱۰

26۔ الحشر،۵۹: ۱۰

27۔ ابوعبید قاسم بن سلام، **کتاب الاموال** (مترجم) ج۱، ص۱۸۲، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

28۔ ابوعبید قاسم بن سلام، **کتاب الاموال** (مترجم) ج۱، ص۱۸۹

29۔ سعیدی، **شرح صحیح مسلم**، ج۵، ص۳۸۴

30۔ علامہ زبیدی لکھتے ہیں: (فدک محرکۃ بخیبر) فیها نخل و عین افاء الله علی نبیہ ﷺ **فَدَک** خیبر کا ایک علاقہ ہے اس میں کھجور کے باغات اور چشمے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ علاقہ نبی ﷺ کو بطور فئی عطا کیا تھا۔ عام طور پر اس لفظ کو فدَک پڑھا جاتا ہے یہ صحیح نہیں ہے، صحیح لفظ فدَک ہے۔ (سید محمد مرتضےٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس، ج۷، ص۱۶۶، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ) علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: فدک قریۃ بخیبر وقیل بنا حیۃ الحجاز فیها عین ونخل افاءها الله علی نبیہ ﷺ فدک خیبر کی ایک بستی ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ حجاز کی سمت میں ہے، اس میں چشمے اور باغات ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ بستی اپنے نبی کو بطور فئی عطا فرمائی تھی۔ (علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب، ج۱۰، ص۴۷۳، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۳۰۵ھ)

31۔ سعیدی، **شرح صحیح مسلم**، ج۵، ص۳۹۴

32۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، **سنن ابوداؤد**، کتاب الصلاۃ، باب مقدار القراۃ فی المغرب، ج۱، ص۱۱۸

33۔ سعیدی، **شرح صحیح مسلم**،ج۱،ص۱۲۶۳۔۱۲۶۴
34۔ سعیدی، **شرح صحیح مسلم**،ج۲،ص۱۰۰۱۔۱۰۰۵
35۔ سعیدی،**شرح صحیح مسلم**،ج۲،ص۱۰۰۶۔۱۰۰۹
36۔ دشتانی،ابوعبداللہ،**اکمال اکمال المعلم**،ج۳،ص۱۹۲۔۱۹۳
37۔ الفتح، ۴۸ :۲
38 ۔ دشتانی،ابوعبداللہ مالکی، **اکمال اکمال المعلم**،ج۳،ص۹۲۔۹۶